پاکستان میں
مسلم خواتین کے لیے لائحہ عمل

محمد عبدالشکور ○

نائن الیون کے سازشی پس منظر میں، یہودی دانش وروں کی رہنمائی میں امریکی استعمار نے مسلم دنیا کو کچلنے کے لیے جارحیت کا جو پروگرام مرتب کیا ہے، اس کے تین اہداف ہیں:

○ مسلم دنیا (خاص طور پر شرق اوسط) کے معدنی وسائل پر براہِ راست قبضہ کیا جائے۔

○ مسلم دنیا کی عسکری اور سیاسی قوت کو کچلا جائے تاکہ وہ اسرائیل کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔

○ مسلم دنیا کے سماجی، سیاسی اور جہادی دھاروں میں اُبھرتی ہوئی بیداری کی لہر کو روکا جائے اور اس کی جگہ مغربی طرزِ زندگی کی ترویج کی جائے۔

امریکی انتظامیہ، ان کے تھنک ٹینکوں اور ان کی پروپیگنڈا مشینری نے اپنے اہداف کے بارے میں کبھی کوئی ابہام نہیں چھوڑا۔ اپنے ان اہداف اور مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے اربوں اور کھربوں ڈالر کے بجٹ سے عسکری اور ثقافتی محاذ پر انتہائی خطرناک اسلحے کے ساتھ بڑی بے رحمی اور سنگ دلی سے جارحیت کا آغاز کیا ہے اور برسوں تک اس جنگ کو جاری رکھنے کا عزم لیے وہ مسلسل پیش قدمی کر رہے ہیں۔

○ ڈائرکٹر وزڈم ہاؤس، چنن، ضلع گجرات

عسکری محاذ پر انھوں نے افغانستان اور عراق جیسے مسلمان ملکوں پر اپنے تباہ کن ہتھیاروں سے اتنا بارود برسایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ، بستیاں اور شہر کھنڈر بن گئے۔ لاکھوں عورتیں، معصوم بچے اور بوڑھے جل بھن کر اس طرح کوئلہ ہوگئے کہ انھیں پہچاننا اور دفن کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ پھر انھوں نے تباہیوں کے یہ مناظر دکھا دکھا کر باقی مسلمان ممالک کو خوفزدہ کیا اور اپنے سامنے جھکنے اور اپنی ہی شرائط پر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کرلیا۔ پاکستان، لیبیا، سعودی عرب، ایران اور پھر شام ''چاہتے یا نہ چاہتے'' ہوئے باری باری جھکتے چلے گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ شاید یوں جھکنے سے انھیں نجات مل جائے گی۔

قوت کے زور پر قبضہ جما لینے کے بعد مسلم ممالک کی تہذیب و تمدن، اخلاق و اقدار اور شرم و حیا کے پیمانوں کو توڑ پھوڑ کر انھیں مغربی معاشرت کی اخلاق باختہ سوسائٹی میں بدل دینا ان کا اگلا ہدف ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ عورت کو جنسِ بازار بنا دیا جائے۔ موسیقی و شراب کو اتنا عام کر دیا جائے کہ ایمان و حیا منہ چھپاتے پھریں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ذرائع ابلاغ خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے بے شمار چینلوں کو مسلم ممالک میں عام کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم اور خواتین کے محاذوں کو اپنا خصوصی ہدف بنایا ہے۔

تعلیم کے محاذ پر وہ مسلم دنیا کے نظام ہائے تعلیم میں سے قرآن، جہاد اور اسلامی تعلیمات کو کھرچ کھرچ کر نکالنا چاہتے ہیں اور مشاہیر اسلام اور مسلم فاتحین کے تذکروں اور کارناموں کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سائنس اور عمرانیات میں ایسے مضامین کو لانا چاہتے ہیں جس میں خدا کا تصور تک موجود نہ ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ ''بھلا سائنس اور قرآن کا باہم کیا تعلق''۔ اُردو میں اسلامیات کیوں ہو۔ وہ معاشرے میں روشن خیالی لانے کے لیے فنِ موسیقی اور رقص کو متعارف کروانا چاہتے ہیں اور تعلیم کی ہر سطح پر مخلوط انتظامات ان کی کوششوں کا محور ہیں۔ اس غرض سے انھوں نے پاکستان اور بعض دیگر ممالک میں آغا خان یونی ورسٹی بورڈ کو بھاری مالی امداد دے کر انتظامی اور عدالتی دسترس سے ماورا رہنے کے اجازت نامے لے کر دیے ہیں اور یوں اس نظام کو متعارف کرانے کی بنیاد رکھ دی ہے۔

خواتین کے محاذ پر امریکیوں نے روشن خیال اور ترقی پسند خواتین انجمنوں (این جی اوز)

کے لیے اپنی خطیر رقوم کے منہ کھول دیے ہیں۔ ان کو یہ ڈیوٹی دی گئی ہے کہ وہ مسلم معاشروں سے ایسے واقعات کو چن چن کر تشہیر دیں جن میں اخلاقی حدود کو پامال کر کے گھروں سے بھاگ جانے والوں اور والیوں کو معاشرے کے ''جرأت مند'' افراد اور ان کے کارناموں کو قابلِ تقلید مثال کے طور پر پیش کیا جاسکے۔ چنانچہ یہ انجمنیں معاشرے کے ان بدقسمت افراد اور ان کے گھر والوں کو سہارا یا رہنمائی فراہم کرنے اور انھیں دوبارہ پرسکون زندگی کی طرف لوٹانے کے بجائے مشتعل کر کے معاشرتی اقدار سے ٹکرا جانے پر اُبھارتی رہتی ہیں۔

پاکستانی حکومت نے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے جب امریکی عزائم کے سامنے جھکنے کا فیصلہ کرلیا تو امریکیوں کے لیے آسان تر ہوگیا کہ وہ حکومتی سطح پر پاکستان سے ''فراخ دلانہ'' تعاون وصول کریں اور تعلیمی محاذ کے ساتھ ساتھ خواتین کے محاذ پر بھی اپنی من مانی کارروائیوں کا آغاز کردیں۔ چنانچہ ان دونوں محاذوں پر سرمایہ کی بے پناہ فراوانی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات بتانے کی اس لیے چنداں ضرورت نہیں کہ اس حوالے سے چونکا دینے والی بے شمار معلومات اخبارات و جرائد میں وقفے وقفے سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔

اس وقت ہمارا موضوع دراصل خواتین کے محاذ پر کی جانے والی اس ثقافتی یلغار اور اس کے آگے بند باندھنے کی منصوبہ بندی سے متعلق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکی سامراج کو سرمائے، ٹکنالوجی اور پروپیگنڈے کے میدان میں ہم پر برتری اور سبقت حاصل ہے۔ تاہم یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے کہ ہم اپنے ''ہوم گراؤنڈ'' میں بیرونی ٹیم کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اگر بہتر تیاری، اچھی منصوبہ بندی، اعلیٰ مہارت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے سہارے میدان میں اترا جائے تو جیت کے شاندار امکانات اور مواقع پوری طرح موجود ہیں۔

اس جنگ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کی ہے کہ ہمارے رسوم و رواج میں اور ہماری معاشرتی اقدار میں ہر چیز اسلامی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اس میں جاہلیت پر مبنی بے شمار ہندوانہ اور جاہلانہ تصورات سرایت کیے ہوئے ہیں۔ مغربی اقدار کے خلاف لڑتے ہوئے بلکہ لڑنے سے پہلے ہمیں ان فرسودہ رسوم و رواج کو چھانٹ چھانٹ کر اسلامی اقدار سے الگ کرنے اور پھر ان کی بیخ کنی کے لیے زوردار مہم چلانے کی بھی ضرورت ہے۔ بیٹے اور بیٹی کی پیدائش پر خوشیوں سے لے

کر ان کی تعلیمی ضروریات اور تصورات، شادی بیاہ کی رسوم و رواج اور پھر بیاہے جانے کے بعد وراثت میں خواتین کے شرعی حقوق تک بے شمار جاہلانہ تصورات معاشرے میں اپنی جڑیں گاڑے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان جاہلانہ رسوم و رواج پر صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ہی کر کے نہ رہ جائیں بلکہ ایک زوردار مہم کے ذریعے ان اشجارِ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑنے کی منصوبہ بندی بھی کریں، اور جدوجہد بھی، تاکہ اسلام کی طرف سے خواتین کو دیے گئے پُرکشش حقوق کی صاف اور پاکیزہ جھلک ہر ایک کو نظر آئے۔ مغرب جب ان جاہلانہ رسومات کو ہمارے معاشرے میں موجود پاتا ہے تو ان کی آڑ میں وہ اسلامی معاشرے کو مطعون کرتا ہے اور جانتے بوجھتے انھیں اسلامی اقدار کے روپ میں پیش کر کے ان پر ''سنگ زنی'' بھی کرتا ہے۔ مسلم خواتین اگر مغرب کے پروپیگنڈے کو بے اثر کرنا چاہتی ہیں تو انھیں معاشرت میں پائی جانے والی ان خرابیوں کی نشان دہی بھی کرنا ہوگی اور ان کی بیخ کنی کے لیے پُرعزم جدوجہد بھی۔ گویا ہماری جدوجہد ان امراضِ خبیثہ کے خلاف بھی ہے جو گندے خون کی صورت میں معاشرے کی رگوں میں سرایت کر چکی ہیں اور اس وائرس کے خلاف بھی جو باہر سے ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

خواتین کا حقِ وراثت

مغرب کا یہ گمراہ کن پروپیگنڈا کہ اسلامی تہذیب و معاشرت میں عورتوں کو حقوق حاصل نہیں صرف اس لیے جڑ پکڑ سکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں ہمارا پس ماندہ معاشرہ وہ حقوق خواتین کو دینے کے لیے تیار نہیں۔ پیدایش کی خوشیوں سے لے کر جایداد میں حقِ وراثت تک ہمارا موجودہ جاہلی معاشرہ خواتین کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ پاکستان کے قانونِ وراثت میں خواتین کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر معاشرہ اور رسوم و رواج انھیں یہ حق دینے سے مسلسل انکاری ہیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں کم و بیش ۸۰ فی صد خواتین کو شادی سے قبل آمادہ کر لیا جاتا ہے کہ وہ جایداد میں اپنا حصہ ''بخوشی'' بھائیوں کے نام منتقل کر دیں۔ یوں جایداد کو ان کے بقول ''پرائے گھر'' میں جانے سے بچا لیا جاتا ہے۔ یہ عورت کا بدترین استحصال ہے۔ ایک مدت سے منبر و محراب سے بھی اس

استحصال کے خاتمے کے لیے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

خواتین کو حقِ وراثت سے محروم کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید دی ہے۔ خواتین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ کردہ حق کو رسومات کی بنیاد پر چھین لینا صریح ظلم اور زیادتی ہے۔ اگر مسلم خواتین اپنے اس حق کے حصول کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ مرحلہ وار آگے بڑھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ چند برسوں کی جدوجہد سے معاشرے کو اس قبیح رسم سے نجات نہ دلائی جاسکے۔

مسلم خواتین اور باشعور مردوں اور علمائے کرام سب کو اس ظلم و زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔ اس مسئلے پر معاشرتی شعور بیدار کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں سیمی نار کیے جائیں۔ اخبارات میں فیچر شائع ہوں۔ اس موضوع پر ملک بھر میں لٹریچر عام کیا جائے۔ منتخب نمایندوں سے کہا جائے کہ وہ اس غیر شرعی رسم کے خلاف اس طرح کی قانون سازی کریں کہ وراثت کا بیٹے اور بیٹیوں میں باقاعدہ انتقال ہوئے بغیر خواتین کا حصہ کسی دوسرے کے نام منتقل نہ ہوسکے۔ اس قانون سازی کے لیے عورتوں کے نمایندہ وفود ممبران اسمبلی سے ملیں اور ضرورت پڑے تو مناسب تیاری سے پارلیمنٹ ہاؤس تک مارچ بھی کیا جائے۔

عزت کے نام پر قتل اور کاروکاری

یہ موضوع مغربی دنیا کی شہہ پر پرورش پانے والی این جی اوز کے لیے سب سے زیادہ دل چسپی کا باعث ہے۔ اباحیت پسند معاشرے میں فلمی مکالموں سے متاثر ہوکر بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں خفیہ طور پر تعلقات استوار کرلیتے ہیں۔ ایک مدت تک گھر والے چشم پوشی اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں مگر جب صدمے والی خبر آپہنچتی ہے تو غصے سے بے قابو ہوکر لڑکی اور لڑکے کے قتل کا انتہائی جرم کرگزرتے ہیں۔

اسلام سمیت کوئی بھی مہذب معاشرہ اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو قتل کے بدلے میں بھی کسی فرد کو جوابی قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ اختیار صرف اور صرف ریاست کو حاصل ہے کہ وہ قتل کا انتقام قتل کی صورت میں لے یا ورثا کے کہنے پر خون بہا کی ادایگی کا

فیصلہ کرے۔ عزت کے نام پر قتل کے حوالے سے مغربی سوچ اور اسلامی سوچ میں جو فرق ہے وہ اس جرم کے ''گھناؤنے پن'' پر نہیں بلکہ جرم کے محرکات پر ''پسندیدگی'' اور ''ناپسندیدگی'' کے باعث ہے۔ اہلِ مغرب کے نزدیک لڑکے اور لڑکیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عمر اور جذبات کے اس انتہائی ناپختہ مرحلے پر اپنے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے جو راہ اور طریقہ اپنانا چاہیں اپنا لیں اور ماں باپ یا بزرگوں سے کسی رہنمائی کی قطعی ضرورت محسوس نہ کریں، جب کہ اسلام انھیں خاندانی و معاشرتی زندگی سے سرکشی و بغاوت سے روکتا اور مشفقانہ رہنمائی میں فیصلے کرنے کی ہدایت کرتا ہے (اسلام لڑکے اور لڑکی کی پسند کو اہمیت دیتا ہے)۔ مگر بدقسمتی سے ہندوانہ رسومات کی جکڑبندیوں کے باعث ہمارے معاشرے نے اسلام کے اس ''حسن انتظام'' کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے برعکس مغربی اقدار نے انھیں آزادخیالی کا ایک ایسا راستہ دکھانا شروع کر دیا ہے جو خاندانی نظام کی بنیادیں ہی ہلا کر رکھ دینے والا ہے۔ اس حوالے سے ایک طرف ہمیں غیرت کے نام پر قتل اور کاروکاری کی مذمت کرنا چاہیے اور دوسری طرف اُن اسباب و محرکات کے سدِ باب کے لیے آواز بھی بلند کرنا چاہیے جو اس مذموم اور گھناؤنے جرم کے راستے کھولنے کا سبب بنتے ہیں۔ معاشرے کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ سخت سے سخت قانون سازی بھی اس وقت تک بے اثر ہے جب تک ان محرکات کا قلع قمع نہ کیا جاسکے جو غیرت کے نام پر ہر قتل کے لیے اشتعال دلانے کا باعث بنتے ہیں۔

ملازم پیشہ خواتین کا تحفظ

زندگی گزارنے کے طریقوں میں بے شمار تبدیلیوں اور نت نئی ضرورتوں کے باعث خواتین کا خرید و فروخت، تعلیم، علاج اور دیگر کئی ضرورتوں کے لیے نہ صرف گھر سے نکلنا بلکہ ان میدانوں میں ملازمتیں حاصل کرنا بھی ناگزیر ہو چکا ہے۔ اسلام ضرورت کے تحت خواتین کے گھر سے نکلنے پر پابندی نہیں لگاتا، وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ معاشرے کو مرد و خواتین کے باہم اختلاط سے بچایا جائے اور اس طرح دونوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے۔

اس وقت پاکستان میں لاکھوں ایسی خواتین ہیں جو تعلیم، صحت، ذرائع ابلاغ اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری محکموں میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ یہ تعداد اگرچہ خواتین کو مجموعی

تعداد کے تناسب سے بہت زیادہ نہیں، تاہم اپنے فعال اور متحرک کردار کے باعث انھیں معاشرے میں بہت مؤثر مقام حاصل ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان خواتین کو ایسا ماحول فراہم کرے کہ جب وہ اپنی ملازمتی ضروریات کے لیے باہر نکلیں تو کسی خوف اور خطرے کے بغیر اپنے کام سرانجام دے سکیں۔ اس طرح کا ماحول پیدا کرنے میں جہاں پورے معاشرے کو متحرک ہونا ہوگا وہاں اس مسئلے کو مسلم خواتین کے ایجنڈے پر بہت نمایاں جگہ ملنی چاہیے۔ انھیں بہت زوردار طریقے سے یہ آواز اٹھانا چاہیے کہ ملازمت پیشہ خواتین کو کام کے لیے محفوظ ماحول فراہم کیا جائے۔ اگر سفر کرنا ناگزیر ہو تو محفوظ سفری سہولیات میسر ہوں، یا ملازمت کی جگہ دُور ہو تو محفوظ رہائشی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ ہمارے ملک کے تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور دیگر مقامات پر کام کرنے والی ہزاروں ایسی خواتین ہیں جنھیں ناقابلِ بیان سفری مشکلات اور حفاظتی خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ترکی کی اسلامی پارٹی نے ملازمت پیشہ خواتین کے تحفظ کو اپنی جدوجہد میں بہت نمایاں حیثیت دی۔ نتیجتاً ترکی کے انتہائی سیکولر ماحول کے باوجود اسلامی پارٹی کو خواتین میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پاکستان میں بھی مسلم خواتین کو اپنی جدوجہد میں ملازمت پیشہ خواتین کے تحفظ کو بھرپور اہمیت دینی چاہیے۔

خواتین میں شرح خواندگی

ہمارے بے شمار مسائل کے ناقابلِ حل رہنے کی ایک بڑی وجہ خواتین میں تعلیم کی کمی ہے۔ کچھ شہری آبادیوں کو چھوڑ دیا جائے تو دیہاتی معاشرے میں اکثر جگہ خواتین میں شرح خواندگی مردوں کی نسبت نصف یا اس سے بھی کم ہے۔ اندرونِ سندھ، جنوبی پنجاب اور بلوچستان کے اکثر علاقوں میں خواتین کی تعلیم ابھی تک نہ ہونے کے برابر ہے۔ وڈیرے مخدوم اور نواب ابھی تک مزارعوں اور ہاریوں کو تعلیمی اداروں کے قریب تک پھٹکنے نہیں دینا چاہتے۔ ان علاقوں میں خواتین کی ایک بڑی تعداد کے لیے تعلیمی ادارے کی شکل دیکھنا خواب دیکھنے سے کم نہیں۔

یہ ایک تڑپا دینے والی کیفیت ہے۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا مرد کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔ اس فرق کو ہنگامی بنیادوں پر دُور ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام تنہا عورتوں کے لیے ممکن نہیں

اس کے لیے معاشرے کے سارے طبقات کا حصہ لینا ضروری ہے اور ان میں سب سے بڑھ کر حکومت کو کردار ادا کرنا ہے۔ مگر خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو زوردار انداز میں یہ آواز حکومت کے ایوانوں تک پہنچانی چاہیے اور مطالبہ کرنا چاہیے کہ جب تک مردوں اور عورتوں میں شرح خواندگی برابر نہیں ہو جاتی، تعلیمی بجٹ میں عورتوں کا حصہ مردوں سے دگنا کر دیا جائے۔ دیہی علاقوں میں پرائمری اور ہائی سطح پر خواتین کے اضافی تعلیمی ادارے کھولے جائیں اور دیہی پس منظر میں خواتین اساتذہ کو بہتر سہولیات فراہم کی جائیں۔

خواتین کا حقِ وراثت، عزت کے نام پر قتل اور محرکات کی روک تھام، ملازم پیشہ خواتین کا تحفظ اور خواتین کی شرح خواندگی میں اضافہ۔ اگر مسلم خواتین یہ چار نکاتی لائحہ عمل لے کر باہر نکلیں گی تو انھیں خواتین میں پذیرائی بھی حاصل ہوگی اور حقوقِ نسواں کے پس منظر میں ''پیش قدمی'' بھی ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ توقع ہے ایسی صورت میں مغرب زدہ خواتین کے لیے یہ سرزمین ''اجنبی'' ہو جائے گی۔